2

خلافت جوبلی کی تقریب سے پیدا شدہ نئی ذمہ داریاں جوش اور توجہ سے ادا کرو

(فرمودہ 12 جنوری 1940ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''میں آج ایک اہم امر کے متعلق خطبہ پڑھنا چاہتا تھا اور مَیں اس بات کی ضرورت سمجھتا تھا کہ اس مضمون کو زیادہ بسط کے ساتھ بیان کیا جائے لیکن جلسہ کے بعد جو انفلوئنزا کا حملہ مجھ پر ہؤا پیچھے اس میں بہت حد تک کمی آجانے کے بعد پرسوں سے پھر دوبارہ میرے سینہ پر نزلہ گرنا شروع ہو گیا ہے اور اس کی وجہ سے مَیں زیادہ نہیں بول سکتا اور نہ ہی اونچا بول سکتا ہوں مگر مضمون کی اہمیت اور اس کا موقع یہ چاہتا ہے کہ مَیں اسے پیچھے نہ ڈالوں اور جلد سے جلد اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار جماعت کے سامنے کر دوں۔ اس لئے باوجود طبیعت کی خرابی کے مَیں نے یہی مناسب سمجھا کہ مَیں آج خطبہ میں اسی مضمون کو بیان کروں۔

ہماری جماعت نے اس جلسہ کو جو ابھی گزرا ہے ایک خوشی اور شکریہ کا جلسہ قرار دیا ہے۔ کیا بلحاظ اس کے کہ باوجود دنیا بھر کی مخالفتوں کے وہ نبوت کا پیغام جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں لائے تھے اور جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ میری بڑی مشکلات میں سے ایک نبوت کا مسئلہ بھی رہا ہے کیونکہ لوگ اس

مسئلہ کے سمجھنے کی قابلیت کم رکھتے تھے اور غلط خیالات اور غلط عقائد نے لوگوں کے دماغوں پر ایسا قبضہ جما لیا تھا کہ وہ اس عقیدہ میں کسی اصلاح کے لئے تیار نہ تھے۔ باوجود دنیا کی مخالفت کے پچاس سالہ عرصہ میں برابر دنیا میں پھیلتا چلا گیا ہے اور جس عقیدہ کے متعلق لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ وہ کسی صورت میں تسلیم کئے جانے کے قابل نہیں وہ دنیا کے ہر گوشہ میں تسلیم کیا جانے لگا ہے اور آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے تمام براعظموں میں اس عقیدہ کے ماننے والے لوگ موجود ہیں۔ اور دوسرے اس وجہ سے اس جلسہ کو ایک خوشی کا جلسہ قرار دیا گیا کہ وہ خلافت جو تابع نبوت ہوتی ہے اس کے متعلق بھی لوگوں میں ایسے ہی خیالات موجود تھے اور لوگ سمجھتے تھے کہ خلافت کا خیال دنیا میں قائم نہیں رہ سکتا اور اس آزادی اور نام نہاد ڈیماکرسی کی موجودگی میں خلافت دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

یہ خیال زیادہ تر دوسری خلافت کے شروع میں پیش کیا گیا اور اس پر بہت کچھ زور دیا گیا۔ مگر باوجود اس کے گزشتہ پچیس سال میں اللہ تعالیٰ نے خلافت کی عظمت قائم کی اور اس کے دامن سے جو لوگ وابستہ تھے انہیں ہر میدان میں فتح دی اور ان کا قدم ترقی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ پچیس سال میں جماعت کہیں کی کہیں پہنچ گئی۔

ہماری جماعت کی ترقی اور اس کی رفتار کی تیزی اس امر سے ہی سمجھی جا سکتی ہے کہ آج ہم ایک معمولی جمعہ کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں جس میں کوئی خاص خصوصیت نہیں۔ صرف قادیان اور چند ارد گرد کے دیہات کے لوگ شامل ہیں مگر باوجود اس کے اس مسجد میں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی مسجد سے چار گُنے سے بھی زیادہ ہو چکی ہے تمام لوگ بھرے ہوئے ہیں اور ابھی مستورات کے لئے علیحدہ انتظام ہے۔ وہ حصہ اس سے قریباً تہائی ہو گا۔ اور وہ بھی تمام کا تمام بھرا ہوُا ہوتا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے آخری سال میں جو جلسہ سالانہ ہوُا اُس میں جو احمدی شامل ہوئے وہ اس مسجد کے چوتھے حصہ میں سما گئے تھے۔ ہمارے دادا کی جو قبر ہے یہ انتہائی اور آخری حد تھی اور میرے بائیں طرف دو تین گز چھوڑ کر جو ستون ہے وہ اس کی ابتدائی حد تھی۔ میرے دائیں طرف مسجد کا کُل حصہ، اسی طرح بائیں طرف کا برآمدہ اور قبر سے لے کر مشرق کی طرف کا

سب حصہ، یہ سب زائد ہیں۔ اس نسبت سے جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ حلقہ اُس وقت کے اجتماع سے چار گُنے سے بھی زیادہ ہو گا۔ یہ اس وقت کے جلسہ کے لوگوں کی کُل تعداد تھی اور اس تعداد کو اتنا اہم سمجھا گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جلسہ میں متواتر فرمایا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا کام دنیا میں ختم ہو چکا ہے۔ مگر آج ہمارے ایک معمولی جمعہ میں اس سے چار گُنا بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمی موجود ہیں۔ تو یہ دونوں باتیں چونکہ ہماری جماعت کے لئے خوشی کا موجب تھیں اس لئے انہوں نے اس سالانہ جلسہ کو دو خوشیوں کا موجب قرار دیا۔ ایک خوشی تو یہ کہ پیغامِ نبوت پچاس سالہ کامیابی کے ساتھ باوجود دشمنوں کی مخالفت کے ایسی شان و شوکت پیدا کر چکا ہے کہ دنیا اس کی اہمیت تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ دوسری خوشی یہ کہ پیغامِ خلافت پچیس سالہ مخالفت بلکہ شروع خلافت کے وقت کے جماعت کے عمائدین کی مخالفت کے باوجود ترقی کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ آج خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ دنیا کے تمام حصوں کو منظم کرنے میں کامیاب ہو رہا ہے۔

دنیا میں جب کسی شخص کو کوئی خوشی پہنچتی ہے یا جب کوئی شخص ایسی بات دیکھتا ہے جو اس کے لئے راحت کا موجب ہوتی ہے تو اگر وہ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہے تو وہ ایسے موقع پر یہی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر ہے کہ ہم کو یہ بات حاصل ہوئی اور جب کسی مسلمان کو ایسی خوشی پہنچتی ہے تو وہ اس مفہوم کو عربی زبان میں ادا کرتا اور کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ تو اس جلسہ پر ہماری جماعت نے جو خوشی منائی اس کا اگر خلاصہ بیان کیا جائے تو وہ یہی بنے گا کہ پیغامِ نبوت اور پیغامِ خلافت کی کامیابی پر ہماری جماعت نے اس سال اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا۔ مگر باقی دنیا اور اسلام کی تعلیم میں ایک فرق ہے۔ باقی دنیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کو اپنی آخری آواز سمجھتی ہے مگر اسلام اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کو نہ صرف آخری آواز قرار دیتا ہے بلکہ اس کو ایک نئی آواز بھی قرار دیتا ہے۔ اسلامی تعلیم کے مطابق اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کائنات کے آدم اول کی بھی آواز تھی جیسا کہ وہ کائنات کے آدم آخر کی آواز ہے۔ اور اس طرح اسلام اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے ساتھ اگر ایک سلسلہ اور ایک کڑی کو ختم کرتا ہے تو ساتھ ہی دوسرے سلسلہ اور دوسری کڑی کو شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ سورۂ فاتحہ میں ہم کو یہی بتایا گیا ہے۔ وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع ہوتی ہے جس کے معنی

یہ ہیں کہ کامیابی اور خوشی دیکھ کر ایک مسلم کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ مگر اَلْحَمْدُ للّٰہ سورۂ فاتحہ کی آخری آیت نہیں بلکہ سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت ہے اور جب ہم اسے پڑھتے چلے جاتے ہیں تو اس کے درمیان ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔1 یعنی اے ہمارے رب اَلْحَمْد کے نتیجہ میں ایک اور پروگرام ہمارے سامنے آگیا ہے اور ایک نئے کام کی بنیاد ہم نے ڈال دی ہے۔ ہم تجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم پورے طور پر اس کام کو چلانے کی کوشش کریں گے اور ہم تجھ سے چاہتے ہیں کہ تُو اس راہ میں ضروری سامان ہمیں مہیا کر اور ہماری نصرت اور تائید فرما۔ پس اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کو پہلے رکھ کر اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کو بعد میں رکھ کر اسلام نے یہ بتایا ہے کہ کوئی حمد اُس وقت تک حقیقی حمد نہیں کہلا سکتی جب تک اس کے ساتھ ایک نئے کام کی بنیاد نہ ڈالی جائے۔ ہر حمد جو حمد پر ختم ہو جاتی ہے وہ در حقیقت حمد نہیں بلکہ ناشکری ہے۔ لفظ چاہے حمد کے ہوں مگر حقیقت اس میں ناشکری کی پائی جاتی ہے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی زندگی میں اس کی ایک مثال پائی جاتی ہے۔ آپ رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے اور بعض دفعہ اتنی لمبی دیر نماز میں کھڑے رہتے کہ آپ کے پاؤں سوج جاتے۔ جب آپ بوڑھے اور کمزور ہو گئے اور آپ میں اتنی طاقت نہ رہی کہ آپ اس مجاہدہ کو آسانی سے برداشت کر سکیں تو ایک دفعہ آپ کی ایک بیوی نے کہا کہ آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ کیا آپ کی نسبت خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تیرے اگلے پچھلے ذنوب معاف فرما دیئے ہیں؟ اور کیا آپ کے ساتھ اس کی بخشش کے وعدے نہیں؟ جب ہیں تو آپ اس قدر تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے جواب میں فرمایا کہ اے عائشہ (حضرت عائشہؓ کی طرف سے ہی یہ سوال تھا) اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔2 کیا میں خدا تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ جب خدا نے مجھ پر اتنا بڑا احسان کیا ہے اور اس کا یہ احسان تقاضا کرتا ہے کہ میں آگے سے بھی زیادہ اس کی عبادت کروں اور آگے سے بھی زیادہ خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت میں لگ جاؤں۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے اس میں یہی بتایا ہے کہ انعام کے نتیجہ میں اَلْحَمْد مومن کا آخری قول نہیں ہوتا بلکہ وہ آخری قول بھی ہوتا ہے اور نئے کام کی بنیاد بھی ہوتا ہے۔ بہت لوگ جو اس حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں ان پر جب کوئی احسان ہوتا ہے تو

وہ سمجھ لیتے ہیں کہ انہوں نے بڑا کام کر لیا اور یہ کہ اب ان کا کام ختم ہو گیا مگر اسلام ایسا نہیں کہتا۔ محمد رسول اللہ ﷺ ایسا نہیں کہتے بلکہ اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی احسان ہوتا ہے تو اس کے بعد بندوں پر نئی ذمہ داریاں رکھی جاتی ہیں۔ اگر وہ ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے تیار ہوں تب وہ مستحق ہوتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنے کے اور تبھی ان کی اَلْحَمْد سچی اَلْحَمْد کہلا سکتی ہے۔ لیکن اگر ہم کام ختم کر دیتے ہیں یا اس کی قدر نہیں کرتے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہماری حمد جھوٹی تھی کیونکہ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ وہ کام جس پر ہم نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہا ایسا اچھا نہ تھا۔ اگر اچھا ہوتا تو اسے جاری رکھتے بلکہ اسے بڑھانے اور ترقی دینے کی کوشش کرتے۔

پس یہ جو خوشی کا جلسہ ہؤا اس نے درحقیقت ہماری ذمہ داریوں کو بہت بڑھا دیا ہے۔ ممکن ہے اگر یہ جلسہ نہ ہوتا تو لوگ کہہ دیتے کہ ہم نہیں سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ کا ہم پر اتنا بڑا احسان ہے۔ مگر اب کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مجھے معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہے۔ اب ہر شخص نے اس امر کا اقرار کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر بہت بڑا احسان کیا اور جب خدا نے احسان کیا ہے تو اس کو اب بڑھانے کی کوشش کرنی چاہئے یا ختم کرنے کی؟ پس میرے نزدیک اس جلسہ نے ہماری جماعت پر ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد کر دی ہے۔ یوں تو ہر روز خدا تعالیٰ کی جماعت کو خوشیاں پہنچتی ہی رہتی ہیں مگر ہر روز جشن نہیں منائے جاتے۔ ایک خاص جلسے کے منانے کے معنے ہی یہ ہیں کہ وہ ایک منزل پر پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے اپنے کام میں ایک درجہ کو حاصل کر لیا ہے۔ پس اس کے بعد ایک نئی ولادت کی ضرورت ہے۔ گویا پہلا سلسلہ ختم ہؤا اور اب ایک نیا سلسلہ شروع ہو گا۔ جیسے ایک دانہ بویا جاتا ہے تو اس سے مثلاً ستّر یا سَو دانے نکل آتے ہیں۔ اب ستر اور سَو دانوں کا نکل آنا اپنی ذات میں ایک بڑی کامیابی ہے مگر وہ پہلے بیج کا ایک تسلسل ہوتا ہے اور زمیندار اسے کوئی نیا کام نہیں سمجھتا بلکہ وہ سمجھتا ہے میرے پہلے کام کا ہی سلسلہ جاری ہے۔ لیکن جب زمیندار ان نئے دانوں کو پھر زمین میں ڈال دیتا ہے تو اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ اب میرے کام کا نیا دور شروع ہؤا۔ کام تو وہی ہے مگر اب وہ کام کے دور میں فرق کرنے لگ جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میرا پہلا کام ختم ہؤا اور اب

ایک نیا کام شروع ہے۔

اسی طرح جب ہماری جماعت نے اس جلسہ کو خوشی کا جلسہ قرار دیا تو بالفاظ دیگر انہوں نے یہ اعلان کیا کہ ہمارا پہلا بیج جو بویا ہؤا تھا اس کی فصل پک گئی اب ہم نیا بیج بو رہے ہیں اور نئی فصل تیار کرنے میں مصروف ہو رہے ہیں۔ یہ اقرار بظاہر معمولی نظر آتا ہے لیکن اگر جماعت کی حالت کو دیکھا جائے تو اس اقرار کی اہمیت بہت بڑھ جاتی اور اس پر ایسی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ اگر اس کے افراد رات دن کوشش نہ کریں تو اس ذمہ داری سے کبھی عُہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

اس پچاس سالہ دور کے متعلق ہم نے جو خوشی منائی ہمیں غور کرنا چاہئے کہ اس دور کی پہلی فصل کس طرح شروع ہوئی تھی؟ جب ہم اس نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس پہلی فصل کا بیج صرف ایک انسان تھا۔ رات کو دنیا سوئی۔ ساری دنیا اس بات سے ناواقف تھی کہ خدا اس کے لئے کل کیا کرنے والا ہے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت کل کیا ظاہر کرنے والی ہے؟ یہ آج سے پچاس سال پہلے کی بات ہے۔ ایک فرد بھی دنیا کا نہیں تھا جس کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ایک انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یکدم بغیر اس کے کہ پہلے کوئی انتباہ ہو، بغیر اس کے کہ پہلے کوئی انذار ہو، بغیر اس کے کہ پہلے کوئی اعلان ہو، ایک شخص جس کو خود بھی یہ معلوم نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے؟ خدا نے اس کو جگایا اور کہا کہ ہم دنیا میں ایک نئی زمین اور نیا آسمان بنانا چاہتے ہیں اور تم کو اس زمین اور آسمان کے بنانے کے لئے معمار مقرر کرتے ہیں۔ اس کے لئے یہ کتنی حیرت کی بات ہو گی؟ اس وسیع دنیا میں بڑی بڑی حکومتیں قائم تھیں، بڑے بڑے نظام قائم تھے۔ پھر اس وسیع دنیا میں باوجود مسلمانوں کے سابقہ شوکت کھو چکنے کے آج سے پچاس سال پہلے ان کی حکومتیں موجود تھیں، ٹرکی ابھی ایک بڑی طاقت سمجھی جاتی تھی، مصر ابھی آزاد تھا، ایران اور افغانستان آزاد تھے اور یہ اسلامی حکومتیں اسلام کی ترقی اور اس کی تہذیب کا گہوارہ کہلاتی تھیں مگر یہاں وہ آواز پیدا نہیں ہوئی۔ خدا نے ترکوں کے بادشاہ سے یہ بات نہیں کہی۔ خدا نے مصر کے بادشاہ سے یہ بات نہیں کہی۔ خدا نے ایران کے بادشاہ سے یہ بات نہیں کہی۔ خدا نے افغانستان کے بادشاہ سے یہ بات نہیں کہی۔

خدا نے ترکی اور مصر وغیرہ کے جو شیخ الاسلام کہلاتے یا علماء کے رئیس کہلاتے تھے ان سے یہ نہیں کہا بلکہ ہندوستان کے ایک شخص سے خدا نے یہ بات کہی اور ہندوستان میں سے بھی اللہ تعالیٰ نے کلکتہ یا بمبئی کے کسی بڑے رئیس یا عالم سے یہ بات نہیں کہی، لاہور یا امرتسر کے کسی بڑے رئیس یا عالم سے یہ بات نہیں کہی، کسی ظاہری مرکز یا علمی اور سیاسی مرکز میں رہنے والے سے یہ بات نہیں کہی بلکہ خدا نے ریل سے دور، تمدن سے دور، تعلیمی مرکزوں سے دور قادیان میں، ایک ایسی بستی میں جو کور دیہہ کہلانے کی مستحق تھی اور جس کے رہنے والے بالکل جاہل تھے اور تہذیب و تمدن سے کوسوں دور تھے۔ ایک ایسے شخص سے جو نہ عالم سمجھا جاتا تھا، نہ فاضل سمجھتا جاتا تھا، نہ مالدار تھا، اس کے گھر میں اور اسکے کان میں یہ بات کہی۔ ہم کسی صورت میں بھی اندازہ نہیں کر سکتے اس کیفیت کا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں اُس وقت پیدا ہوئی ہو گی۔ جس لڑائی کی آپ کو خبر دی گئی تھی وہ یقیناً اس جنگ سے بہت اہم تھی اور ہے جو آجکل جرمنی اور برطانیہ و فرانس میں جاری ہے۔ تم میں سے آج اگر کسی بچہ کو خواب میں یہ کہا جائے کہ تمہارا فرض ہے کہ جاؤ اور جرمنی کو فتح کرو تو وہ نہایت حیران ہو کر صبح اپنے دوستوں اور ملنے والوں سے کہے گا کہ آج میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے اور جب وہ بیان کرے گا تو لوگ ہنستے ہوئے کہیں گے کہ معلوم ہوتا ہے رات تم زیادہ کھا گئے ہو گے جس کی وجہ سے تمہیں بدہضمی ہو گئی اور ایسا خواب آ گیا۔ وہ خواب کی طرف کبھی توجہ نہیں کرے گا۔ ہاں کبھی کبھی ہنس کر اپنے دوستوں سے کہہ دے گا کہ مَیں نے ایک دفعہ ایک عجیب بے ہودہ سا خواب دیکھا تھا۔ مگر اسی قسم کی کیفیت میں قادیان میں ایک شخص کو الہام ہوتا ہے اور اسے جس جنگ کی خبر دی جاتی ہے وہ اس جنگ سے بہت زیادہ اہم ہے۔ پس اس کے قلب کی جو کیفیت ہوئی ہو گی اس کا اندازہ ہم نہیں کر سکتے۔ اگر تو وہ اس الہام کو اُس رنگ میں لے لیتا جیسے میں نے بچہ کی مثال دی ہے اور وہ سمجھتا کہ مجھے بدہضمی ہو گئی ہے یا مَیں نے زیادہ کھا لیا تھا جس کے نتیجہ میں اس قسم کا خواب آیا یا بخار کی کیفیت تھی یا نزلہ اس کا باعث تھا تب بھی سمجھ آ سکتا ہے کہ اس نے اس عظیم الشان خبر کو سن کر اسے برداشت کر لیا ہو گا۔ تبھی تو اس نے توجیہہ کر لی کہ یہ محض وہم ہے، دماغی خیال یا کسی بیماری کا نتیجہ ہے۔ مگر اس نے یہ نہیں سمجھا

کہ یہ الہام کسی دماغی خرابی کا نتیجہ ہے، اس نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ کسی بیماری کا نتیجہ ہے، اس نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ کسی بدہضمی کا نتیجہ ہے۔ اس نے اسے خدا ہی کی آواز قرار دیا۔ جیسا کہ وہ فی الحقیقت خدا کی طرف سے تھی اور اس نے یہ نہیں کہا کہ یہ اتفاقی آواز ہے جو میرے کان میں پڑ گئی ہے بلکہ وہ فوراً اس آواز کا جواب دینے کے لئے تیار ہو گیا اور اس نے کہا اے میرے رب! میں تیری طرف سے لڑائی کے لئے حاضر ہوں۔ اگر وہ اس آواز کے جواب میں اپنے نفس کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا کہ یہ میرا وہم ہے یا کسی اندرونی نقص اور بیماری کا نتیجہ ہے تو بے شک اس کے دل کو صبر آسکتا تھا اور ہم کہہ سکتے تھے کہ اس کی طبیعت میں اضطراب تو پیدا ہؤا ہو گا مگر حد درجہ کا نہیں۔ مگر اس نے جس رنگ میں اس کلام کو لیا اور اسکی اہمیت کو سمجھا وہ بتلاتا ہے کہ اس نے اسے کھیل نہیں سمجھا، اس نے اسے بیماری نہیں سمجھا، اس نے اسے بدہضمی نہیں سمجھا، اس نے اسے دماغی خرابی نہیں سمجھا بلکہ اس نے نہایت یقین اور وثوق کے ساتھ یہ سمجھا کہ خدا نے واقع میں یہ کام میرے سپرد کیا ہے۔ پس وہ تاریک گھڑیاں اور اس کی بقیہ رات اس پر کیسی گزری ہو گی؟ اس کا اندازہ ہم نہیں لگا سکتے۔

ابھی تمہیں وہ مقام حاصل نہیں کہ تم بڑے لوگوں کی مجلسوں میں جا سکو۔ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے یہ موقع مل سکتا ہو کہ وہ فرانس کے کمانڈر انچیف کے پاس رات گزارے۔ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے یہ موقع مل سکتا ہو کہ وہ انگلستان کے کمانڈر انچیف کے پاس رات گزارے۔ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے یہ موقع مل سکتا ہو کہ وہ جرمنی کے کمانڈر انچیف کے پاس رات گزارے مگر باوجود اس کے کہ وہ بہت چھوٹی سی جنگ کے لئے کھڑے ہوئے ہیں، باوجود اس کے کہ ان کے پاس سامان موجود ہیں، باوجود اس کے کہ ان کے پاس فوجیں موجود ہیں، باوجود اس کے کہ ان کا تمام ملک ان کی مدد کے لئے کھڑا ہے پھر بھی ان کی راتیں اور دن جس کرب سے گزرتے ہیں اور جس بھاگ دوڑ سے وہ کام لے رہے ہیں اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جن کو کبھی تھوڑی دیر کے لئے ان کے پاس جانے اور رہنے کا موقع ملا ہو۔ مگر یہ شخص جس پر رات آئی اس کے پاس وہ سامان نہ تھے جو آج انگلستان کے کمانڈر انچیف کو حاصل ہیں، اس کے پاس وہ سامان نہ تھے جو آج فرانس کے کمانڈر انچیف کو

حاصل ہیں، اس کے پاس وہ سامان نہ تھے جو آج جرمنی کے کمانڈر انچیف کو حاصل ہیں۔ پھر ان لوگوں کے پاس صرف سامان ہی نہیں بلکہ ملک کی متحدہ طاقت ان کے ساتھ ہے۔ انگلستان کا کمانڈر انچیف جانتا ہے کہ اگر میرے پاس گولہ بارود ختم ہو گیا تو بھی پرواہ نہیں انگلستان کی تمام طاقت میرے ساتھ ہے اور اس کا بچہ بچہ میرے حکم پر کٹ مرنے کے لئے تیار ہے۔ فرانس کا کمانڈر انچیف صرف ان سامانوں کو نہیں دیکھتا جو اس کے پاس ہیں بلکہ وہ جانتا ہے کہ ملک کی تمام آبادی میرے حکم پر لبیک کہنے کے لئے تیار ہے اور جب میں کہوں گا کہ گولہ بارود لاؤ تو وہ گولہ بارود اکٹھا کر دیں گے۔ جب کہوں گا کہ جانی قربانی کرو تو وہ بھیڑ بکریوں کی طرح اپنے سر کٹانے کے لئے آگے آ جائیں گے اور اگر اَور سامانوں کا مطالبہ کروں گا تو وہ حاضر کر دیں گے۔ پھر ان کے سامنے اپنی کامیابیوں کی ایک تاریخ موجود ہے، لمبی اور مسلسل تاریخ۔ فرانس کے کمانڈر انچیف کے سامنے فرانس کی کامیابیوں کی ایک لمبی تاریخ ہے اور انگلستان کے کمانڈر انچیف کے سامنے انگلستان کی کامیابیوں کی ایک لمبی تاریخ ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ کس طرح برّی اور بحری جنگوں میں کُودے اور ہر میدان میں وہ فاتح اور کامیاب رہے۔ یہ ساری چیزیں ان کے سامنے موجود ہیں مگر باوجود اس کے وہ گھبراتے ہیں کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ اس جنگ کا کیا نتیجہ ہو گا؟ حالانکہ یہ جنگ صرف تلوار کی جنگ ہے دلوں کو فتح کرنے کی جنگ نہیں جو تلوار کی جنگ سے بہت زیادہ اہم اور بہت زیادہ کٹھن ہوتی ہے۔ اس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ آواز جو اس کے کان میں پڑی اس نے اس کے دل میں کیا تغیر پیدا کیا ہو گا۔ مگر اس نے اس آواز کو ہنسی میں نہیں ڈالا، اس نے اسے پاگلانہ خیال نہیں سمجھا، اس نے اسے بیماری کا نتیجہ قرار نہیں دیا بلکہ اس نے اسے خدا ہی کی آواز قرار دیا اور کہا اے خدا! میں حاضر ہوں۔ اس جواب کے بعد اس نے اپنی باقی رات کس طرح گزاری ہو گی اس کا اندازہ دنیا کا کوئی شخص نہیں لگا سکتا۔ ایک بلبلہ جس طرح سمندر کی سطح پر نمودار ہوتا ہے بالکل اسی طرح وہ دنیا کے سامنے ظاہر ہؤا بلکہ بلبلہ اور سمندر کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ ایک چھوٹا سا بیج تھا جو بہت بڑے جنگل میں ڈال دیا گیا جہاں خشکی ہی خشکی تھی اور پانی کا ایک قطرہ نہ تھا۔ جہاں ریت ہی ریت تھی اور مٹی کا ایک ذرّہ نہ تھا۔ بلکہ وہ بیج جو بیابان میں ڈال دیا جائے

ایسے ریگستان میں ڈال دیا جائے جہاں پانی نہیں اور جہاں مٹی کا ایک ذرّہ نہیں اس کے لئے بھی بڑھنے کا کچھ نہ کچھ موقع ہو سکتا ہے۔ اس بلبلے کو بھی کچھ دیر زندہ رہنے کا موقع مل جاتا ہے جسے سمندر کی ہوائیں اِدھر اُدھر لے جاتی ہیں۔ مگر اس کے لئے تو اتنی بھی امید نہ تھی جتنی بلبلے کے متعلق سمندر کی لہروں میں امید کی جاتی ہے اور اس کے لئے اتنی بھی امید نہ تھی جتنی اس بیج کے متعلق کی جاسکتی ہے جو ایک وسیع ریگستان میں ڈال دیا جائے۔ پھر کوئی شخص نہ تھا جس سے وہ مشورہ کر سکتا۔ اور وہ مشورہ کرتا تو کس سے کرتا؟ یہ انسانی آواز نہ تھی کہ اس کے متعلق کسی انسان سے مشورہ لیا جاتا۔ اگر انسانی آواز ہوتی تو کسی دوسرے سے مشورہ لیا جاسکتا تھا اور کہا جاسکتا تھا کہ ایک انسان نے مجھے یہ بات کہی ہے۔ تمہارے بھی جذبات چونکہ ایسے ہی ہیں جیسے اس کے۔ اس لئے مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں اور کس طرح دنیا کا مقابلہ کروں؟ مگر یہ آواز خدا کی آواز تھی اس لئے وہ کسی بندے سے مشورہ نہیں کر سکتا تھا اور نہ کوئی بندہ ایسا تھا جو اسے مشورہ دے سکتا۔

آنحضرت ﷺ کو بھی جب پہلی دفعہ یہ آواز آئی تو اس وقت آپ کی جو قلبی کیفیت ہوئی اس کا پتہ حدیثوں سے لگتا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ اس آواز کے بعد آپ گھر تشریف لائے۔ آپ بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ جسم کانپ رہا تھا، کندھوں کا گوشت شدتِ ہیبت سے ہِل رہا تھا اور رنگ اڑا ہوا تھا۔ آپ کی وفادار بیوی حضرت خدیجہؓ نے جب آپ کو اس حال میں دیکھا تو انہوں نے گھبرا کر کہا کہ مَیں آپ کو کس حال میں دیکھتی ہوں؟ آپ کو یہ کیا ہو گیا ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا خدیجہ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کیا ہو گیا؟ مجھے یہ آواز آئی ہے اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۔خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۔3 آسمان کے خدا نے مجھے بلایا ہے تا کہ مَیں اس کے نام کو لوں اور اسے دنیا میں پھیلاؤں۔ مَیں حیران ہوں کہ مَیں اس کام کو کس طرح کروں گا؟ خدائی آواز چونکہ اپنے ساتھ یقین کے انوار رکھتی ہے اس لئے رسول کریم ﷺ نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ مجھے بیماری ہو گئی ہے۔ آپ نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کوئی دماغی عارضہ ہے یا بدہضمی کا نتیجہ ہے بلکہ آپ نے فرمایا کہ یہ ہے تو آسمان کی آواز مگر جو کام میرے سپرد کیا گیا ہے مَیں حیران ہوں کہ اسے کس طرح کروں گا؟ حضرت خدیجہؓ آخر

آپؐ کی صحبت میں ہی رہنے والی تھیں انہوں نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے اس کا بہت ہی لطیف جواب دیا۔ وہ ہے تو عورتوں والا جواب مگر بہت ہی ایمان افزا ہے ۔ عورتیں عموماً سامانوں کو نہیں دیکھیں بلکہ ان کا ایمان ایمان العجائز ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتیں کہ سامان بھی میسر ہیں یا نہیں بلکہ وہ کہتی ہیں کہ کام ہو جائے گا۔ کس طرح ہو گا اس کا انہیں کوئی علم نہیں ہوتا۔ خدیجہؓ کا جواب بھی ویسا ہی جواب ہے۔ انہوں نے فرمایا کَلَّا وَاللّٰہِ لَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا 4 آپؐ کیوں گھبراتے ہیں۔ مجھے خدا کی قسم ہے کہ خدا آپؐ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ جب اس نے آپؐ کے سپرد ایک کام کیا ہے تو وہ خود آپ کی مدد کرے گا اور آپؐ کی کامیابی کے لئے سامان مہیا کرے گا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ فقرہ تاریخ میں محفوظ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ فقرہ یہی نہیں کہ تاریخ میں محفوظ ہے بلکہ ان فقروں میں سے ہے جن کو تاریخ بھی مٹا نہیں سکتی۔ کَلَّا وَاللّٰہِ لَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا۔ وہی ایمان العجائز ہے، وہی یقین اور وہی وثوق ہے۔ بغیر اس کے کہ وہ عواقب کو دیکھتیں، بغیر اس کے کہ وہ سامانوں پر نظر دوڑاتیں۔ پس اس واقعہ سے رسول کریم ﷺ کی قلبی کیفیت کا کسی قدر اندازہ ہو جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی الہامات نازل ہوئے کہ اٹھو اور دنیا کو میری طرف بلاؤ اور دنیا میں پھر میرے دین کو قائم کرو۔ ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہی کیفیت آپؑ کی بھی ہوئی ہو گی۔ آپ بھی حیران ہوئے ہوں گے کہ کہاں مَیں اور کہاں یہ کام۔ قادیان جیسی جگہ میں، میرے جیسے انسان کو آج خدا یہ کہہ رہا ہے کہ دنیا، مہذب دنیا، طاقتور دنیا، سامانوں والی دنیا مجھ سے دور پڑی ہوئی ہے، اتنی دور کہ دنیا اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتی۔ جاؤ اور ان گناہ کے قلعوں کو پاش پاش کر دو جو اسلام کے مقابلہ میں بنائے گئے ہیں۔ اور جاؤ اور ان شیطانی حکومتوں کو مٹا دو جو میری حکومت کے مقابلہ میں قائم کی گئی ہیں اور ان تمام بے دینی کے قلعوں اور شیطانی حکومتوں کی جگہ میری حکومت اور دین کی بادشاہت قائم کرو۔ اگر کوئی شخص دور بین نگاہ رکھتا ہے، اگر کوئی شخص حقیقت کو سمجھ سکتا ہے تو مَیں کہوں گا کہ یہ مطالبہ اس سے بھی زیادہ مشکل تھا جیسے کسی کو چاند دکھایا جائے اور کہا جائے کہ جاؤ اور اس چاند کو جا کر

توڑ ڈالو۔ وہ تو وہاں جا بھی نہیں سکتا پھر اس سے یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس کو توڑ ڈالے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تو وہاں پہنچ بھی نہ تھی جہاں خدا آپ کو پہنچانا چاہتا تھا۔ بھلا کون سے ذرائع آپ کے پاس ایسے موجود تھے کہ آپ امرتسر کے لوگوں تک ہی اپنی آواز پہنچا سکتے یا لاہور، بمبئی اور کلکتہ کے لوگوں تک یہ الٰہی پیغام پہنچا سکتے۔ یا کون سے ذرائع آپ کے پاس ایسے موجود تھے کہ آپ عرب کے لوگوں کو بیدار کر سکتے۔ یا آپ انگلستان اور امریکہ تک اپنی اواز پہنچا سکتے؟ ہزاروں آوازیں دنیا میں گونج رہی تھیں، ہزاروں قومیں دنیا میں موجود تھیں، بیسیوں حکومتیں دنیا میں پائی جاتی تھیں جن کی نگاہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتنی بھی تو عزت نہ تھی جتنی دنیاوی حکومت کے سیکرٹریٹ کے چپڑاسی کی ہوتی ہے مگر خدا نے کہا اُٹھ اور دنیا کو میرا پیغام پہنچا دے اور اس نے کہا اے میرے رب! مَیں حاضر ہوں۔ اس نے یہ بھی تو نہیں سوچا کہ یہ کام کیونکر ہو گا؟ اس کا جسم کانپا ہو گا، یقیناً اس کے دل پر رعشہ طاری ہؤا ہو گا۔ یقیناً وہ حیران ہؤا ہو گا، یقیناً۔ مگر اس نے یہ نہیں پوچھا کہ یہ کام کیونکر اور کس طرح ہو گا۔ اس کے دل کے تقویٰ اور محبت الٰہی نے اسے سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا اور اس کے جذبۂ فدائیت نے یہ پوچھنے ہی نہیں دیا کہ اے میرے رب! یہ کس طرح ہو گا؟ اس نے پہلے کہا ہاں اے میرے رب! مَیں حاضر ہوں اور پھر اس نے سوچا کہ میرے پاس تو کچھ نہیں یہ کام کس طرح ہو گا؟ یہی وہ حقیقی اطاعت کا جوش ہے جو لبیک پہلے کہلوا دیتا ہے اور فکر پیچھے پیدا ہوتا ہے۔

صحابہؓ کی مجلس کا ہی ایک واقعہ ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ جہاں سچی محبت ہوتی ہے وہاں تعمیل پہلے ہوتی اور فکر بعد میں پیدا ہوتا ہے۔ اہل عرب شراب کے سخت عادی تھے۔ ایسے عادی کہ بہت کم لوگ ان کی طرح شراب کے عادی ہوتے ہیں۔ ان کا تمام لٹریچر، شعر، نثر اور خطبے شراب کے ذکر سے بھرے ہوئے ہوتے تھے۔ مسلمان بھی چونکہ انہی میں سے آئے تھے اس لئے ان میں بھی وہی عادتیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ماتحت شروع میں شراب حرام نہیں کی۔ مکہ کا سارا زمانہ گزر گیا اور شراب حلال رہی۔ مدینہ میں بھی چند سال اِسی طرح گزر گئے اور شراب کی حرمت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے

رسول کریم ﷺ سے فرمایا کہ اب شراب حرام کی جاتی ہے۔ آپؐ مسجد میں آئے اور جو لوگ اُس وقت موجود تھے ان سے کہا کہ اب خدا نے شراب حرام کر دی ہے اور ایک شخص سے کہا کہ جاؤ مدینہ کی گلیوں میں شراب کی حرمت کا اعلان کر دو۔ اُس وقت مدینہ میں ایک خوشی کی مجلس منعقد ہو رہی تھی اور حسبِ دستور اس مجلس میں شراب کے مٹکے رکھے ہوئے تھے۔ لوگ باتیں کرتے، گاتے بجاتے اور شرابیں پیتے جاتے تھے۔ ایک بہت بڑا مٹکا وہ ختم کر چکے تھے اور دو مٹکے شراب کے ابھی باقی تھے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ جہاں شراب کا ایک مٹکا ختم ہو چکا ہو وہاں دماغوں کی کیا کیفیت ہو گی؟ اُس وقت وہ لوگ نشہ میں آئے ہوئے تھے اور ان کے ہوش و حواس بہت کچھ زائل ہو چکے تھے کہ بازار میں سے اس شخص کی یہ آواز آئی کہ محمد ﷺ نے شراب حرام کر دی ہے۔ انہی شراب سے مدہوش لوگوں میں سے ایک شخص گھبرا کر اٹھا اور کہنے لگا میرے کان میں ایک آواز آئی ہے جو یہ کہہ رہی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے شراب حرام کر دی ہے۔ میں باہر نکل کر دیکھوں تو سہی یہ آواز کیسی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اگر اتنے پر ہی بس ہو جاتی تو یہ رسول کریم ﷺ کی اس محبت کا جو صحابہؓ کے دلوں میں تھی معجزانہ نمونہ ہوتا۔ شراب کے نشہ میں بھلا کون دیکھتا ہے کہ کیسی آواز آ رہی ہے! عام حالات میں تو وہ ہنستے اور کہتے کہ شراب کو کون حرام کر سکتا ہے؟ پس اگر بات یہیں تک رہتی تب بھی یہ رسول کریم ﷺ کی محبت کا ایک معجز نما ثبوت ہوتی مگر اسی پر بس نہیں۔ جب اس نے یہ کہا کہ مَیں دیکھوں تو سہی یہ آواز کیسی آ رہی ہے تو ایک اَور آدمی جو شراب کے نشہ میں مست بیٹھا ہوُا تھا اور شراب پی پی کر اس کے دماغ میں نشہ غالب آ رہا تھا یکدم اس حالت سے بیدار ہوُا اور بولا کیا کہا تم نے؟ ہمارے کان میں آواز پڑتی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے شراب حرام کر دی اور تم کہتے ہو تحقیق کر و اس کی بات کہاں تک سچ ہے۔ خدا کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا میں پہلے شراب کا مٹکہ توڑوں گا بعد میں پوچھوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے سونٹا پکڑ کر زور سے مٹکوں کو مارا اور انہیں توڑ دیا اور شراب صحن میں پانی کی طرح بہنے لگی۔ اس کے بعد اس نے دروازہ کھول کر اعلان کرنے والے سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے بتایا کہ مجھے رسول کریم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ اعلان کر دوں کہ شراب حرام کر دی گئی ہے۔ اس نے کہا ہم تو پہلے ہی شراب کے مٹکے توڑ چکے

ہیں۔5

خدا کی رحمتیں ہوں اس شخص پر اس نے عشق کا ایک ایسا نمونہ قائم کیا کہ قیس اور مجنوں کا عشق اگر اس میں کوئی حقیقت تھی بھی اِس کے عشق کے مقابل پر مرجھا کر رہ جاتا ہے۔ اس حقیقی محبت کے مظاہرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں دلیلیں نہیں پوچھی جاتیں۔ وہاں انسان پہلے اطاعت کا اعلان کرتا ہے پھر یہ سوچتا ہے کہ میں اس حکم پر کس طرح عمل کروں۔ یہی کیفیات انبیاء کی ہوتی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا پہلا کلام اترتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت ان کے دلوں میں اتنی ہوتی ہے اتنی ہوتی ہے کہ وہ دلیل بازی نہیں کرتے اور جب خدا کی آواز ان کے کانوں میں پہنچتی ہے تو وہ یہ نہیں کہتے کہ اے ہمارے رب! کیا تُو ہم سے ہنسی کر رہا ہے؟ کہاں ہم اور کہاں یہ کام۔ بلکہ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! بہت اچھا اور یہ کہہ کر کام کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد سوچتے ہیں کہ اب انہیں کیا کرنا چاہئے۔ یہی آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے کیا اور یہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس رات کیا۔ خدا نے کہا اٹھ اور دنیا کی ہدایت کے لئے کھڑا ہو اور وہ فوراً کھڑے ہو گئے اور پھر سوچنے لگے کہ اب مَیں یہ کام کس طرح کروں گا؟

پس آج سے پچاس سال پہلے کی وہ تاریخی رات جو دنیا کے آئندہ انقلابات کے لئے زبردست حربہ ثابت ہونے والی ہے، جو آئندہ بننے والی نئی دنیا کے لئے ابتدائی رات اور ابتدائی دن قرار دی جانے والی ہے اگر ہم اس رات کا نظارہ سوچیں تو یقیناً ہمارے دل اس خوشی کو بالکل اور نگاہ سے دیکھیں۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو یہ سوچتے ہیں کہ یہ خوشی انہیں کس گھڑی کے نتیجہ میں ملی، یہ مسرت انہیں کس پل کے نتیجہ میں حاصل ہوئی اور کس رات کے بعد ان پر کامیابی و کامرانی کا یہ دن چڑھا۔ یہ خوشی اور یہ مسرت اور یہ کامیابی و کامرانی کا دن ان کو اس گھڑی اور اس رات کے نتیجہ میں ملا جس میں ایک تن تنہا بندہ جو دنیا کی نظروں میں حقیر اور تمام دنیوی سامانوں سے محروم تھا اسے خدا نے کہا کہ اٹھ اور دنیا کی ہدایت کے لئے کھڑا ہو۔ اور اس نے کہا اے میرے رب! میں کھڑا ہو گیا۔ یہ وہ وفاداری تھی، یہ وہ محبت کا صحیح مظاہرہ تھا جسے خدا نے قبول کیا اور اس نے اپنے فضل اور رحم سے اس کو نوازا۔ رونا اور ہنسنا دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی

شان سے بعید ہیں لیکن محبت کی گفتگو میں اور محبت کے کلاموں میں یہ باتیں آہی جاتی ہیں۔

پس مَیں کہتا ہوں اگر خدا کے لئے بھی رونا ممکن ہوتا، اگر خدا کے لئے بھی ہنسنا ممکن ہوتا تو جس وقت خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہا کہ مَیں تجھے دنیا کی اصلاح کے لئے کھڑا کرتا ہوں اور آپ فوراً کھڑے ہوگئے اور آپ نے یہ سوچا تک نہیں کہ یہ کام مجھ سے ہوگا کیونکر؟ اگر اس وقت خدا کے لئے رونا ممکن ہوتا تو مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ خدا رو پڑتا اور اگر خدا کے لئے ہنسنا ممکن ہوتا تو وہ یقیناً ہنس پڑتا۔ وہ ہنستا بظاہر اس بے وقوفی کے دعوے پر جو تمام دنیا کے مقابلہ میں ایک نحیف و ناتواں وجود نے کیا اور وہ رو پڑتا اس جذبۂ محبت پر جو اس تن تنہا روح نے خدا کے لئے ظاہر کیا۔ یہی سچی دوستی تھی جو خدا کو منظور ہوئی اور اسی رنگ کی سچی دوستی ہی ہوتی ہے جو دنیا میں کام آیا کرتی ہے۔

مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہی یہ واقعہ سنا ہوا ہے کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو ہمیشہ یہ نصیحت کیا کرتا تھا کہ تم جلدی لوگوں کو دوست بنا لیتے ہو یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ سچے دوست کا ملنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے اور وہ کہتا کہ آپ کو غلطی لگی ہوئی ہے میرے دوست سب سچے ہیں اور خواہ مجھ پر کیسی ہی مصیبت کا وقت آئے یہ میری مدد سے گریز نہیں کریں گے۔ اس نے بہتیرا سمجھایا مگر بیٹے پر کوئی اثر نہ ہوا۔ باپ نے کہا کہ مَیں ساٹھ ستّر سال کی عمر کو پہنچ گیا مگر مجھے تو اب تک صرف ایک ہی دوست ملا ہے اور وہ بھی فلاں غریب شخص جسے اس کا بیٹا حقارت سے دیکھا کرتا تھا اور اپنے باپ سے کہا کرتا کہ آپ اتنے بڑے ہو کر اس سپاہی سے کیوں محبت رکھتے ہو؟ اور باپ ہمیشہ یہی کہتا کہ مجھے تمام عمر میں اگر کوئی سچا دوست ملا ہے تو یہی ہے۔ آخر ایک دن اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تم میری بات نہیں مانتے تو تجربہ کر لو اور اپنے دوستوں سے جا کر کہو کہ میرے باپ نے مجھے اپنے گھر سے نکال دیا ہے۔ میرے پاس رہنے کی کوئی جگہ نہیں، میرے لئے رہائش اور خوراک کا انتظام کر دو۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ وہ ایک ایک کے پاس گیا۔ مگر جس دوست کے پاس بھی جاتا وہ پہلے تو کہتا کہ آپ نے بڑی عزت افزائی فرمائی سنایئے آپ کا کیسے آنا ہؤا؟ اور جب یہ کہتا کہ میرے باپ نے مجھے نکال دیا ہے اب میں آپ کے پاس آیا ہوں تا کہ آپ میری رہائش وغیرہ کا انتظام کر دیں تو

وہ یہ سنتے ہی کوئی بہانہ بنا کر اندر چلا جاتا۔ غرض اسی طرح اس نے سارے دوستوں کا چکر لگا لیا اور آخر باپ کے پاس آکر کہا کہ آپ کی بات ٹھیک نکلی۔ میرے دوستوں میں سے ایک بھی تو نہیں جس نے مجھے مُنہ لگایا ہو۔ باپ نے کہا اچھا تم نے اپنے دوستوں کا تو تجربہ کر لیا اب آج کی رات میرے دوست کا بھی تجربہ کر لینا۔ چونکہ وہ امیر آدمی تھا اس لئے وہ اپنے دوست کے مکان پر نہیں جایا کرتا تھا اکثر وہی اس کے مکان پر آ جاتا مگر اس رات وہ اچانک بیٹے کو ساتھ لے کر اپنے دوست کے مکان پر گیا اور دروازہ پر دستک دی۔ آدھی رات کا وقت تھا اس نے پوچھا کون؟ اس نے اپنا نام بتایا کہ میں ہوں۔ وہ کہنے لگا بہت اچھا ذرا ٹھہریئے مَیں آتا ہوں۔ یہ باہر انتظار کرنے لگ گئے مگر کافی وقت گزر گیا اور وہ اندر سے نہ نکلا۔ یہ دیکھ کر بیٹا کہنے لگا جناب! آپ کا دوست بھی آخر ویسا ہی نکلا۔ باپ کہنے لگا ذرا ٹھہرو، مایوس نہ ہو دیر لگانے کی کوئی وجہ ہو گی۔ آخر کوئی آدھ گھنٹہ کے بعد وہ دوست باہر نکلا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ اس نے گلے میں تلوار لٹکائی ہوئی تھی ایک ہاتھ میں روپوں کی تھیلی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اس نے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور کہنے لگا معاف کیجئے مجھے دیر ہو گئی۔ اصل بات یہ ہے کہ جب مجھے آپ کی آواز آئی تو مَیں نے سمجھا کہ ضرور کوئی بڑا کام ہے جس کے لئے آپ رات کو میرے پاس آئے ہیں۔ مَیں نے سوچا کہ آخر آپ کو مجھ سے اِس وقت کیا کام ہو سکتا ہے؟ اور میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ دنیا میں مصیبتیں آتی رہتی ہیں اور بعض دفعہ بڑے بڑے امیر آدمی بھی بلا میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ پس مَیں نے سمجھا کہ شاید کوئی بیمار ہے جس کی خدمت کے لئے مجھے بلایا ہے اس لئے میں نے فوراً اپنی بیوی کو جگایا اور کہا کہ میرے ساتھ چل ممکن ہے کسی خدمت کی ضرورت ہو۔ پھر مَیں نے سوچا ممکن ہے کسی دشمن سے مقابلہ ہو جس میں میری جان کی ضرورت ہو سواِس خیال کے آنے پر میں نے تلوار نکال کر گلے میں لٹکالی کہ اگر جانی قربانی کی ضرورت ہو تو میں اس کے لئے بھی حاضر ہوں۔ پھر میں نے سوچا کہ آپ امیر تو ہیں ہی مگر بعض دفعہ امراء پر بھی ایسے اوقات آجاتے ہیں کہ وہ روپوں کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ پس میں نے سوچا کہ شاید اس وقت آپ کو روپوں کی ضرورت ہو مَیں نے ساری عمر تھوڑا تھوڑا جمع کر کے کچھ روپیہ حفاظت سے رکھا ہوا تھا اور اسے زمین میں ایک طرف دبا دیا تھا اس خیال کے

آنے پر مَیں نے زمین کو کھود کر اس میں سے تھیلی نکالی اور اب یہ تینوں چیزیں حاضر ہیں۔ فرمایئے آپ کا کیا ارشاد ہے؟

دنیا کی زبان میں یہ دوستی کی نہایت ہی شاندار مثال ہے اور انسان ایسے جذبات کو دیکھ کر بغیر اس کے کہ وہ اپنے دل میں شدید ہیجان محسوس کرے نہیں رہ سکتا۔ مگر اس دوستی کا اظہار اس دوستی کے مقابلہ میں کچھ بھی تو نہیں جو نبی اپنے خدا کے لئے ظاہر کرتے ہیں۔ وہاں قدم قدم پر مشکلات ہوتی ہیں۔ وہاں قدم قدم پر قربانیاں پیش کرنی پڑتی ہیں اور وہاں قدم قدم پر مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ پس نبیوں کا جواب اپنے خدا کو ویسا ہی ہوتا ہے بلکہ اس سے بہت بڑھ کر جیسے اس غریب آدمی نے امیر آدمی کو دیا۔ بیشک اگر ہم معقولات کی نظر سے اس کو دیکھیں اور منطقی نقطہ نگاہ سے اس پر غور کریں تو اس غریب آدمی کی یہ حرکت ہنسی کے قابل نظر آتی ہے کیونکہ اس امیر کے ہزاروں نوکر چاکر تھے۔ ان کے ہوتے ہوئے اس کی بیوی نے کیا زائد خدمت کر لینی تھی؟ اسی طرح وہ لاکھوں کا مالک تھا اس کو سوڈیڑھ سو روپیہ کی تھیلی کیا فائدہ پہنچا سکتی تھی؟ اور خود اس کے کئی پہرہ دار اور محافظ تھے اس کو اس دوست کی تلوار کیا نفع پہنچا سکتی تھی؟ مگر محبت کے جوش میں اس نے یہ نہیں سوچا کہ میری تلوار کیا کام دے گی، میرا تھوڑا سا روپیہ کیا فائدہ دے گا اور میری بیوی کیا خدمت سرانجام دے سکے گی؟ اس نے اتنا ہی سوچا کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ مجھے حاضر کر دینا چاہئے۔

ایسے ہی بے وقوفی کے واقعات میں مجھے بھی اپنا ایک واقعہ یاد ہے۔ کئی دفعہ اس واقعہ کو یاد کر کے مَیں ہنسا بھی ہوں اور بسا اوقات میری آنکھوں میں آنسو بھی آگئے ہیں۔ مگر مَیں اسے بڑی قدر کی نگاہ سے بھی دیکھا کرتا ہوں اور مجھے اپنے زندگی کے جن واقعات پر ناز ہے ان میں وہ ایک حماقت کا واقعہ بھی ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک رات ہم سب صحن میں سو رہے تھے گرمی کا موسم تھا کہ آسمان پر بادل آیا اور زور سے گرجنے لگا۔ اسی دوران میں قادیان کے قریب ہی کہیں بجلی گر گئی مگر اس کی کڑک اس زور کی تھی کہ قادیان کے ہر گھر کے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ بجلی شاید ان کے گھر میں ہی گری ہے۔ ہمارے مدرسہ میں ہی ایک واقعہ ہؤا جس کو یاد کر کے لڑکے مدتوں ہنستے رہے اور وہ یہ کہ فخر دین ملتانی جو

بعد میں مرتد ہو گیا وہ اس وقت طالب علم تھا اور بورڈنگ ہاؤس میں رہا کرتا تھا۔ جب بجلی کی زور سے کڑک ہوئی تو اس نے اپنے متعلق سمجھا کہ بجلی شاید اس پر گری ہے اور وہ ڈر کے مارے چارپائی کے نیچے چھپ گیا اور زور زور سے آواز دینے لگا کہ بلّی بلّی۔ بجلی کا لفظ اس کے مُنہ سے نکلتا ہی نہیں تھا۔ ڈر کے مارے بلی بلی کہنے لگ گیا۔ پہلے تو سارے ہی لڑکے بھاگ کر کمروں میں چلے گئے مگر پھر تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلے تو اسے چارپائی کے نیچے چھپا ہوُا پایا اور دیکھا کہ وہ بلی بلی کر رہا ہے۔ آخر پوچھا تو اس کے ہوش ٹھکانے آئے اور کہنے لگا مجھ پر بجلی گر پڑی ہے۔ تو وہ اتنی زور کی کڑک تھی کہ ہر شخص نے یہ سمجھا کہ اسی کے قریب بجلی گری ہے۔ اس کڑک کی وجہ سے اور کچھ بادلوں کی وجہ سے تمام لوگ کمروں میں چلے گئے۔ جس وقت بجلی کی یہ کڑک ہوئی اس وقت ہم بھی جو صحن میں سو رہے تھے اٹھ کر اندر چلے گئے۔ مجھے آج تک وہ نظارہ یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اندر کی طرف جانے لگے تو میں نے اپنے دونوں ہاتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سر پر رکھ دیئے کہ اگر بجلی گرے تو مجھ پر گرے ان پر نہ گرے۔ بعد میں جب میرے ہوش ٹھکانے آئے تو مجھے اپنی اس حرکت پر ہنسی آئی کہ ان کی وجہ سے تو ہم نے بجلی سے بچنا تھا نہ یہ کہ ہماری وجہ سے وہ بجلی سے محفوظ رہتے۔ میں سمجھتا ہوں میری وہ حرکت ایک مجنون کی حرکت سے کم نہیں تھی مگر مجھے ہمیشہ خوشی ہوُا کرتی ہے کہ اس واقعہ نے مجھ پر بھی اس محبت کو ظاہر کر دیا جو مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تھی۔ بسا اوقات انسان خود بھی نہیں جانتا کہ مجھے دوسرے سے کتنی محبت ہے۔ جب اس قسم کا کوئی واقعہ ہو تو اسے بھی اپنی محبت کی وسعت اور اس کی گہرائی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ تو جس وقت محبت کا انتہائی جوش اٹھتا ہے عقل اس وقت کام نہیں کرتی۔ محبت پرے پھینک دیتی ہے عقل کو، اور محبت پرے پھینک دیتی ہے فکر کو اور وہ آپ سامنے آ جاتی ہے۔ جس طرح چیل جب مرغی کے بچوں پر حملہ کرتی ہے تو مرغی بچوں کو جمع کر کے اپنے پروں کے نیچے چھپا لیتی ہے اور بعض دفعہ تو محبت ایسی ایسی حرکات کرا دیتی ہے کہ دنیا اسے پاگل پنے کی حرکات قرار دیتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ جنون دنیا کی ساری عقلوں سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے اور دنیا کی ساری عقلیں اس ایک مجنونانہ حرکت پر قربان کی جاسکتی ہیں کیونکہ اصل عقل وہی ہے جو محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ نبی کو بھی جب آواز آتی ہے کہ خدا

زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا خدا، خدا عزت و شوکت کو پیدا کرنے والا خدا، بادشاہوں کو گدا اور گداؤں کو بادشاہ بنانے والا خدا، حکومتوں کو قائم کرنے اور حکومتوں کو مٹانے والا خدا، دولتوں کے دینے اور دولتوں کو لے لینے والا خدا، رزق کے دینے اور رزق کو چھیننے والا خدا، زمین و آسمان کے ذرّہ ذرّہ اور کائنات کا مالک خدا آواز دیتا ہے ایک کمزور ناتوان اور نحیف انسان کو کہ مَیں مدد کا محتاج ہوں میری مدد کرو۔ تو وہ کمزور اور ناتوان اور نحیف بندہ عقل سے کام نہیں لیتا وہ یہ نہیں کہتا کہ حضور کیا فرما رہے ہیں؟ کیا حضور مدد کے محتاج ہیں؟ حضور تو زمین و آسمان کے بادشاہ ہیں۔ مَیں کنگال، غریب اور کمزور آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟ وہ یہ نہیں کہتا بلکہ وہ نحیف و نزار اور کمزور جسم کو لے کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے مَیں حاضر ہوں، مَیں حاضر ہوں، مَیں حاضر ہوں۔ کون ہے جو ان جذبات کی گہرائیوں کا اندازہ کر سکتا ہے؟ سوائے اس کے جسے محبت کی چاشنی سے تھوڑا بہت حصہ ملا ہو۔

آج سے پچاس سال پہلے اسی خدا نے پھر یہ آواز بلند کی اور قادیان کے گوشۂ تنہائی میں پڑے ہوئے ایک انسان سے کہا کہ مجھے مدد کی ضرورت ہے۔ مجھے دنیا میں ذلیل کر دیا گیا ہے، میری دنیا میں کوئی عزت نہیں، میرا دنیا میں کوئی نام لیوا نہیں، مَیں بے یار و مددگار ہوں اے میرے بندے میری مدد کر۔ اس نے یہ نہیں سوچا کہ کہنے والا کون ہے اور جس سے خطاب کیا جاتا ہے وہ کون ہے۔ اس کی عقل نے یہ نہیں کہا کہ مجھے بلانے والے کے پاس تمام طاقتیں ہیں میں بھلا اس کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟ اس کی محبت نے اس کے دل میں ایک آگ لگا دی اور وہ دیوانہ وار جوش میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا میرے رب! مَیں حاضر ہوں۔ میرے رب مَیں حاضر ہوں، میرے رب مَیں بچاؤں گا، میرے رب! مَیں بچاؤں گا۔ یہی تو وہ ساعت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔6 اس رات پر ہزاروں راتیں قربان ہیں اور چونکہ بار بار ایسی راتیں آجاتی ہیں اس لئے خدا نے خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ کہا۔ ورنہ اگر ایک ہی رات ہوتی تو دنیا کی ساری راتیں اس ایک رات، اس ایک گھنٹے، اس ایک منٹ اور اس ایک سیکنڈ پر قربان کی جا سکتی ہیں۔ جب ایک کمزور بندہ اپنی محبت کے جوش میں بغیر سوچے سمجھے اور بغیر عواقب پر غور کئے تلوار لے کر کھڑا ہو جاتا

اور خدا کے ارد گرد پہرہ دینے لگ جاتا ہے۔ وہ کیا ہی شاندار نظارہ ہوتا ہے جب قادرو قدیر خدا جب زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا خدا ایک نحیف و نزار جسم کے ساتھ چارپائی پر لیٹا ہؤا ہوتا ہے اور ایک نحیف و نزار انسان جو اپنی کمر بھی سیدھی نہیں کر سکتا وہ تلوار لے کر اس کے ارد گرد پہرہ دے رہا ہوتا ہے اور کہتا ہے میں اسے بچاؤں گا مَیں اسے بچاؤں گا۔ اس سے زیادہ محبت کا شاندار نظارہ کبھی نظر نہیں آسکتا اور کبھی نظر نہیں آسکتا۔ یہی رات ہمارے زمانہ میں بھی آئی اور خدائے قادر نے آواز دی کہ کوئی بندہ ہے جو مجھے بچائے۔ تب زمین کے گوشوں میں سے ایک کمزور شخص آگے بڑھا اور اس نے کہا اے میرے رب! مَیں حاضر ہوں۔ عقلمند انسان چاہے اسے بے وقوفی قرار دیں اور فلاسفر چاہے اسے نادانی قرار دیں مگر جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا ہے ہزاروں عقلیں اس بیوقوفی پر قربان کی جاسکتی ہیں اور ہزاروں فلسفے کے خیالات اس بظاہر نادانی کے خیال پر قربان کئے جاسکتے ہیں۔

پھر اس کا وہ اعلان محض وقتی اعلان نہ تھا۔ اس کا اظہار محبت ایک وقتی جوش نہ تھا۔ وہ کھڑا ہو گیا اور کھڑا ہی رہا یہاں تک کہ اس نے اپنے مقصود کو حاصل کر لیا۔ کیا تم نے کبھی گھروں میں نہیں دیکھا کہ وہاں بعض دفعہ کیا تماشہ ہؤا کرتا ہے؟ مَیں نے تو اس قسم کا تماشہ کئی دفعہ دیکھا اور مَیں سمجھتا ہوں ہر گھر میں کبھی نہ کبھی ایسا ہو جاتا ہو گا کہ کبھی کبھی مائیں ہنسی کے طور پر کپڑا مُنہ میں ڈال کر رونے لگ جاتی ہیں اور اُوں اُوں کرتے ہوئے اپنے کسی بڑے بھائی یا خاوند یا کسی دوسرے عزیز رشتہ دار کا نام لے کر بچے سے کہتی ہیں کہ وہ مجھے مارتے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ ڈیڑھ سال کا بچہ کُود کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنا ہاتھ اٹھالیتا ہے۔ گویا وہ اس شخص کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے جس کے متعلق اس کی ماں کہتی ہے کہ وہ مجھے مارتا ہے۔ حالانکہ ماں کو بچانا تو الگ رہا بعض دفعہ وہ اپنا ہاتھ بھی اچھی طرح نہیں اٹھا سکتا مگر جانتے ہو یہ کیا ہوتا ہے؟ یہ محبت کا مظاہرہ ہوتا ہے کہ بچہ یہ نہیں دیکھتا میں کمزور اور ناتواں ہوں بلکہ ماں جب اسے آواز دیتی ہے تو وہ اپنی کمزور حالت کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی مدد کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہی حالت اس رات، اس گھڑی، اس سیکنڈ اور اس پَل میں نبیوں کی ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کہتا ہے اے میرے بندے! مجھے دنیا نے دھتکار دیا اور مجھے اپنے گھر سے نکال دیا کوئی ہے جو مجھے بچائے

اور وہ ناتواں اور نحیف بندہ چھوٹے سے نادان بچے کی طرح مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے مَیں بچاؤں گا، مَیں بچاؤں گا۔ پھر وہ صرف کہتا ہی نہیں بلکہ اس کو بچانے میں لگ جاتا ہے۔ اس بچہ کا تو عشق کامل نہیں ہوتا۔ اگر واقع میں جو شخص ہنسی کر رہا ہوتا ہے وہ اس بچے کو تھپڑ مارے تو اس نے ماں کو تو کیا بچانا ہے وہ خود ماں سے لپٹ جائے گا اور دوڑ کر اس کی گود میں چلا جائے گا۔ مگر یہ شخص ایسا ہوتا ہے کہ دنیا اسے مارتی ہے، ہاتھوں سے بھی اور لاتوں سے بھی اور دانتوں سے بھی اور چاروں طرف سے اس پر لعنت اور پھٹکار ڈالی جاتی ہے مگر وہ اپنے جسم کو ہلاتا نہیں، وہ چیختا نہیں، وہ چلّاتا نہیں بلکہ برابر مقابلہ کئے جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہونے لگتی ہیں اور ایک ایک کر کے، ایک ایک کر کے بندوں کو وہ خدا تعالیٰ کے دربار میں لانا شروع کر دیتا ہے۔ وہ کمزور بازو طاقت پکڑنے لگ جاتے ہیں، وہ لڑکھڑانے والی زبان مضبوط ہونے لگ جاتی ہے، وہ دبی ہوئی آواز طاقت و قوت پکڑتی جاتی ہے اور وہ نہایت ہی ذلیل نظر آنے والا وجود اپنے اندر ایسی ہیبت پیدا کر لیتا ہے کہ لوگ اس سے کانپنے اور اس کے سامنے کھڑا ہونے سے لرزتے ہیں۔ اور وہ قربانی کرتا چلا جاتا ہے، کرتا چلا جاتا ہے اور کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے حضور وہ ایک جماعت کو لا ڈالتا ہے اور زمین و آسمان کا خدا جسے لوگوں نے اپنے گھروں میں سے نکال دیا تھا اس کے لئے نئے نئے محلات بننے لگ جاتے ہیں۔ کوئی یہاں، کوئی وہاں، کوئی اِدھر، کوئی اُدھر اور وہ خدا جو مسیحؑ کی طرح اپنے نبی کو یہ آواز دیتا ہے کہ اے میرے بندے! لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر میرے لئے تو سر چھپانے کی بھی جگہ نہیں۔ اس کے لئے وہ سب سے پہلے اپنے دل کا دروازہ کھول دیتا ہے اور کہتا ہے اے میرے رب! یہ گھر حاضر ہے۔ پھر وہ اور گھروں کے تالے کھولتا ہے اور دیوانہ وار اور مجنونانہ وار کھولتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک گھر کی بجائے خدا کے کئی گھر ہو جاتے ہیں اور خدا کی حکومت زمین پر اسی طرح قائم ہو جاتی ہے جس طرح وہ آسمان پر قائم ہے۔ پھر یہ سلسلہ بڑھتا جاتا ہے، بڑھتا جاتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے جب خدا اپنے بندے سے کہتا ہے کہ میرے بندے تُو نے بہت خدمت کر لی اور مَیں سمجھتا ہوں تُو نے اپنی خدمت کا حق ادا کر دیا۔ پس جس طرح تُو نے اپنے دل کو میرے لئے

کھولا تھا اور اپنے دل کو میرا گھر بنایا تھا اسی طرح آج میں تجھ کو اپنے گھر میں بلاتا ہوں آ اور میرے پاس بیٹھ۔ پس خدا اس کو اپنے پاس بلا لیتا اور وہ دنیا کی تکلیفوں اور شورشوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اس نبی کے بلائے جانے کے بعد دنیا میں جو بیج بوئے ہوئے ہوتے ہیں وہ پھر نئی جدوجہد شروع کر دیتے ہیں۔ نبوت خلافت کا جامہ پہن لیتی ہے اور خلافت کے ذریعہ پھر خدا کے لئے نئے قلوب کی فتح شروع ہو جاتی ہے۔ یہی اِس زمانہ میں ہؤا اور جب ہم نے ایک جشن منایا، ایک خوشی کی تقریب سرانجام دی تو کسان کی زبان میں ہم نے یہ کہا کہ ہم نے پہلی فصل کاٹ لی مگر کیا جانتے ہو کہ دوسرے لفظوں میں ہم نے کیا کہا؟ دوسرے لفظوں میں ہم نے یہ کہا کہ آج سے پچاس سال پہلے جو ایک بیج بویا گیا تھا اس بیج کی فصل ہم نے کاٹ لی۔ اب ہم ان بیجوں سے جو پہلی فصل سے تیار ہوئے تھے ایک نئی فصل بونے لگے ہیں۔ اس عظیم الشان کام کے آغاز کے بعد تم سمجھ سکتے ہو کہ تم پر کتنی عظیم الشان ذمہ داریاں عائد ہو گئی ہیں۔ تم نے اب اپنے اوپر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ جس طرح ایک بیج بڑھ کر اتنی بڑی فصل ہو گیا اسی طرح اب تم ان بیجوں کو بڑھاؤ گے جو اس فصل پر تم نے بوئے ہیں اور اسی رنگ میں بڑھاؤ گے جس رنگ میں پہلی فصل بڑھی۔ پس ہم نے جشنِ مسرت منا کر اس بات کا اعلان کیا ہے کہ جس طرح ایک بیج سے لاکھوں نئے بیج پیدا ہو گئے تھے اسی طرح اب ہم ان لاکھوں بیجوں کو از سر نو زمین میں بوتے ہیں۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ پچھلے پچیس یا پچاس سال میں جس طرح سلسلہ نے ترقی کی ہے اسی طرح اتنے ہی گُنے اگلے پچیس یا پچاس سال میں ہم آج کی جماعت کو بڑھا دیں گے۔ یہ کوئی معمولی ذمہ داری نہیں جو تم نے اپنے اوپر عائد کی۔ گزشتہ پچاس سال میں ایک بیج سے لاکھوں بیج بنے تھے۔ اب جب تک اگلے پچاس سال میں ان لاکھوں سے کروڑوں نہیں بنیں گے اس وقت تک ہم اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں سمجھے جائیں گے۔ اگر ہم جشن نہ مناتے، اگر ہم یہ نہ کہتے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے کا زمانہ آ گیا تو ہم اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا زمانہ بھی پیچھے ڈال سکتے تھے مگر جب ہم نے جشن منا لیا اور پہلی فصل کاٹ لی تو بالفاظ دیگر ہم نے دوسری فصل کو بو دیا اور ہمارا کام از سر نو شروع ہو گیا اور جبکہ ایک بیج سے اتنے

دانے نکلے تھے تو کیا اب ہمارا فرض نہیں کہ ہم ان بیجوں کو اتنے گُنے بڑھائیں جتنے گُنے وہ ایک بیج بڑھا اور پھولا اور پھلا۔ پس یقیناً اس جشن کے بعد ہم پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہو چکی ہے کیونکہ کیا بلحاظ جانی قربانیوں کے، کیا بلحاظ مالی قربانیوں کے، کیا بلحاظ علمی ترقیات کے، کیا بلحاظ تبلیغ کے، کیا بلحاظ تعلیم و تربیت کے اور کیا بلحاظ کثرتِ تعداد اور زیادتِ نفوس کے، غرض ہر رنگ میں ہم نے پہلی فصل کے کاٹنے اور دوسری فصل کے بونے کا اعلان کیا ہے مگر پہلی فصل صرف ایک بیج سے شروع ہوئی تھی اور اس دوسری فصل کی ابتدا لاکھوں بیجوں سے ہوتی ہے۔ اس لئے جب تک ہم یہ ارادہ نہ کرلیں کہ ان لاکھوں بیجوں کو اتنی ہی تعداد سے ضرب دیں گے جتنی تعداد سے اس ایک بیج نے ضرب کھائی تھی اُس وقت تک ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ لیا ہے۔ مالی لحاظ سے وہ فصل خالی خزانے سے شروع ہوئی تھی اور لاکھوں تک پہنچ گئی۔ مگر یہ فصل اب لاکھوں سے شروع ہوئی ہے۔ اسی طرح وہ فصل ایک کلمہ سے شروع ہوئی تھی اور سینکڑوں کتابوں تک پہنچ گئی اور یہ فصل سینکڑوں کتابوں سے شروع ہوئی ہے۔ پس جب تک اب لاکھوں روپیہ سے کروڑوں روپیہ اور سینکڑوں کتابوں سے ہزاروں اور لاکھوں کتابیں نہ بن جائیں اُس وقت تک ہمارا کام ختم نہیں ہو سکتا۔

غرض اس جشن کے منانے سے ہم نے یہ اعلان کیا ہے کہ ہم نے پہلی فصل کاٹ لی اور نئے سِرے سے اس سے حاصل شدہ بیجوں کو زمین میں ڈال دیا۔ میرا تو جسم کا ذرّہ ذرّہ کانپ جاتا ہے جب مجھے یہ خیال آتا ہے کہ کتنی اہم ذمہ داری ہے جو جماعت نے اپنے اوپر عائد کی۔ اگر ہم پہلی فصل نہ کاٹتے تو ہماری ذمہ داریاں کم رہتیں مگر جب ہم نے اس فصل کو کاٹ کر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا تو اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا سامان بھی ہمیں مہیا کرنا پڑا۔

پس میں جماعت کے دوستوں کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اس جلسہ کے نتیجہ میں ہم نے لاکھوں نئے بیج زمین میں بو دیئے ہیں۔ اب ہمارا فرض ہے کہ اگلے پچیس یا پچاس سال میں ہم جماعت میں حیرت انگیز طور پر تغیر پیدا کریں۔ کیا بلحاظ آدمیوں کی تعداد کے اور کیا بلحاظ مالی قربانی کے اور کیا بلحاظ تبلیغ کے اور کیا بلحاظ تربیت کے اور کیا بلحاظ تعلیم کے۔ آج سے مثلاً پچیس یا پچاس سال کے بعد اگر ہم نئی فصل کے ویسے ہی شاندار نتائج

نہ دکھائیں جیسے پہلی پچاس سالہ فصل کے نتائج نکلے تو ہماری اَلْحَمْدُ بے معنی اور ہماری اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ جھوٹی ہو جاتی ہے۔

پس مَیں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس جلسہ کے بعد ان کو اپنی نئی ذمہ داریاں بہت جوش اور توجہ کے ساتھ ادا کرنی چاہئیں۔ اب ہماری پہلی فصل کے جو نتائج رونما ہوئے ہیں ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اگر اس سے زیادہ نہیں تو کم سے کم اتنے ہی گُنے نتائج نئی فصل کے ضرور رونما کر دیں اور اگر پہلے ایک سے لاکھوں ہوئے تو آج سے پچاس سال کے بعد وہ کروڑوں ضرور ہو جائیں۔ اگر آج سے پچیس سال پہلے جماعت دس بارہ گُنے بڑھی تھی تو اگلے پچیس سال میں کم سے کم دس بارہ گُنے ضرور بڑھ جانی چاہئے مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب تک ہر احمدی کیا مرد اور کیا عورت اور کیا بچہ اور کیا بوڑھا اور کیا کمزور اور کیا مضبوط اپنے ذمہ یہ فرض عائد نہ کر لے کہ مَیں احمدیت کی ترقی کے لئے اپنے اوقات صَرف کروں گا اور اپنی زندگی کا اولین مقصد اشاعتِ دین اور اشاعتِ احمدیت سمجھوں گا۔ اسی طرح علمی طور پر کب ترقی ہو سکتی ہے جب تک ہماری جماعت کا ہر فرد دین سیکھنے اور دینی باتیں سننے اور پڑھنے کی طرف توجہ نہ کرے۔ اسی طرح مالی قربانی میں کب ترقی ہو سکتی ہے جب تک ہماری جماعت نہ صرف قربانیوں میں بیش از بیش ترقی کر لے بلکہ اپنے اخراجات میں بھی دیانتداری سے کام لے۔

مال ہمیشہ دونوں طرح سے بڑھتا ہے۔ زیادہ قربانیوں سے بھی بڑھتا ہے اور زیادہ دیانتداری سے خرچ کرنے سے بھی بڑھتا ہے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک دفعہ ایک شخص کو ایک دینار دیا اور فرمایا جا کر قربانی کے لئے کوئی عمدہ سا بکرا لا دو۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ حاضر ہوُا اور کہنے لگا یارسول اللہ! یہ بکرا موجود ہے اور ساتھ ہی اس نے دینار بھی رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو واپس کر دیا۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حیران ہوئے اور فرمایا یہ کس طرح؟ وہ کہنے لگا یارسول اللہ! مدینہ میں شہر کی وجہ سے چیزیں گراں ملتی ہیں۔ میں دس بارہ میل باہر نکل گیا۔ وہاں آدھی قیمت پر بکرے فروخت ہو رہے تھے۔ میں نے ایک دینار میں دو بکرے لے لئے اور واپس چل پڑا۔ جب میں آ رہا تھا تو راستہ میں ایک شخص مجھے ملا اسے بکرے پسند آئے اور کہنے لگا اگر فروخت کرنا چاہو تو ایک بکرا مجھے دے دو۔ مَیں نے ایک بکرا

ایک دینار میں اسے دے دیا۔ پس اب بکرا بھی حاضر ہے اور دینار بھی۔ رسول کریم ﷺ اس سے بہت ہی خوش ہوئے اور آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی کہ خدا تجھے برکت دے۔ صحابہؓ کہتے ہیں اس دعا کے نتیجہ میں اسے ایسی برکت ملی کہ اگر وہ مٹی میں بھی ہاتھ ڈالتا تو وہ سونا بن جاتی اور لوگ بڑے اصرار سے اپنے روپے اسے دیتے اور کہتے کہ یہ روپیہ کہیں تجارت پر لگا دو۔7

غرض کروڑوں کروڑ روپیہ اسے آیا۔ تو اچھی طرح خرچ کرنے سے بھی مال بڑھتا ہے۔ مال بڑھنے کی صرف یہی صورت نہیں ہوتی کہ ایک کے دو بن جائیں بلکہ اگر تم ایک روپیہ کا کام اٹھنّی میں کرتے ہو تو بھی تمہارے دو بن جاتے ہیں۔ بلکہ اگر تم روپیہ کا کام اٹھنّی میں کرتے ہو اور ایک روپیہ زائد بھی کما لیتے ہو تو تمہارے دو نہیں بلکہ چار بن جائیں گے۔ پس صرف یہی کوشش نہیں ہونی چاہئے کہ مالی قربانیوں میں زیادتی ہو بلکہ اخراجات میں کفایت کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے اور مَیں کارکنوں کو بالخصوص اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ایک روپیہ کا کام اٹھنّی میں کرنے کی کوشش کیا کریں۔

غرض اب جو ہمارے پاس جماعت موجود ہے، اب جو ہمارے پاس روپیہ ہے، اب جو ہمارے پاس تبلیغی سامان ہیں، اب جو ہمارے دنیا میں مشن قائم ہیں، اب جو ہماری تعلیم اور اب جو ہماری تربیت ہے ان سب کو نیا بیج متصور کر کے آئندہ پچاس سال میں ہمیں جماعت کی ترقی کے لئے سرگرم جدوجہد کرنی چاہئے تاکہ آئندہ پچاس سال میں موجودہ حالت سے ہماری تعداد بھی بڑھ جائے، ہمارا مال بھی بڑھ جائے، ہمارا علم بھی بڑھ جائے، ہماری تبلیغ بھی بڑھ جائے اور اُسی نسبت سے بڑھے جس نسبت سے وہ پہلے پچاس سال میں بڑھا۔ اگر ہم اس رنگ میں کوشش نہیں کریں گے تو اُس وقت تک ہماری نئی فصل کبھی کامیاب نہیں کہلا سکتی۔ مگر یہ کام ویسا ہی ناممکن ہے جیسے آج سے پچاس سال پہلے نظر آتا تھا۔ پھر اُس وقت خدا کا ایک نبی کھڑا تھا، بیشک اُس وقت کوئی احمدی نہ تھا مگر خدا کا نبی دنیا میں موجود تھا جو اس پیغام کو لے کر دنیا میں کھڑا تھا مگر آج وہ نبی ہم میں موجود نہیں اور اس وجہ سے ہماری آواز میں وہ شوکت نہیں جو اُس کی آواز میں شوکت تھی۔ پس آج ہمیں اُس سے زیادہ آواز بلند کرنی پڑے گی اور ہمیں اُس سے زیادہ قربانیاں کرنی پڑیں گے۔ اس کے لئے دعائیں بھی کرو اور اللہ تعالیٰ کے دروازہ کو کھٹکھٹاؤ

اور یاد رکھو کہ جب تک جماعت دعاؤں پر یقین رکھے گی، جب تک تم ہر بات میں اللہ تعالیٰ سے امداد کے طالب رہو گے اس وقت تک تمہارے کاموں میں برکت رہے گی۔ مگر جس دن تم یہ سمجھو گے کہ یہ کام تم نے کیا، جس دن تم یہ سمجھو گے کہ یہ نتائج تمہاری محنت سے نکلے اور جس دن تم یہ سمجھو گے کہ یہ ترقی تمہاری کوششوں کا نتیجہ ہے اس دن تمہارے کاموں سے برکتیں بھی جاتی رہیں گی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ آج دنیا میں تم سے بہت زیادہ طاقتور قومیں موجود ہیں مگر ان سے کوئی نہیں ڈرتا اور تم سے سب لوگ ڈرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ تمہاری مثال اس تار کی سی ہے جس کے پیچھے بجلی کی طاقت ہوتی ہے۔ اب اگر تار یہ خیال کرے کہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں تو یہ اس کی حماقت ہو گی کیونکہ لوگ تار سے نہیں بلکہ اس بجلی سے ڈرتے ہیں جو اس تار کے پیچھے ہوتی ہے۔ جب تک اس میں بجلی رہتی ہے ایک طاقتور آدمی بھی اگر تار پر ہاتھ رکھے تو وہ اس کے ہاتھ کو جلا دے گی لیکن اگر بجلی نہ رہے تو ایک کمزور انسان بھی اس تار کو توڑ پھوڑ سکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھو اور اس بجلی کو اپنے اندر سے نکلنے نہ دو بلکہ اسے بڑھاؤ اور ترقی دو۔ تبھی اور تبھی تم کامیابی کو دیکھ سکتے اور نئی فصل زیادہ شان اور زیادہ عمدگی کے ساتھ پیدا کر سکتے ہو لیکن اگر یہ بجلی نکل گئی تو پھر تم کچھ بھی نہیں رہو گے۔ ہاں اگر یہ بجلی رہی تو دنیا کی کوئی طاقت تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گی اور اس صورت میں تمہارا یہ عزم کہ تم اگلے پچاس سال میں تمام دنیا پر چھا جاؤ ناممکن نہیں ہو گا کیونکہ کام خدا نے کرنا ہے اور خدا کے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں۔" (الفضل 25 جنوری 1940ء)

---

1 الفاتحۃ:5

2 بخاری کتاب التہجد باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللیل حتی ورم قدماہ

3 العلق: 2، 3

4 بخاری کتاب التعبیر باب اول ما بدئ بہ

5 بخاری کتاب المظالم باب صب الخمر فی الطریق

6 القدر:4

7 بخاری کتاب المناقب باب سؤال المشرکین ان یریھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم آیۃ فأراھم